# عشقِ عظیم



ڈاکٹر عظیم امروہوی



ناشر
عالمی مرثیہ سینٹر نئی دہلی

بسمہٖ تعالیٰ

# عشقِ عظیم

ڈاکٹر عظیمؔ امروہوی

**پیشــــــــکــــــــــش**

مہرانؔ امروہی۔ افنانؔ امروہی

# مشخصات



نام کتاب : عشقِ عظیم
مصنف : ڈاکٹر عظیم امروہوی
تعداد : پانچ سو
ناشر : عالمی مرثیہ سینٹر، موسیٰ اپارٹمینٹ، ذاکر نگر، جامعہ نگر، نئی دہلی۔110025
کمپوزنگ : سید اظہر عباس۔امروہہ موبائل:08979777740
مطبوعہ : فائن آفسیٹ پریس، شاہدرہ، دہلی۔32
قیمت : بہتّر روپیہ (Rs.72/=)

## ملنے کے پتے

۱) بزم تجدید مرثیہ۔ سفینہ اختر، دربار شاہ ولایت، کمال امروہی روڈ (لکڑہ) امروہہ۔244221، موبائل:09045642585

۲) سید تقی رضا، ڈی ڈی اے فلیٹس پاکٹ9/A، مکان نمبر2B جسولا، نئی دہلی۔110025، موبائل:09811143580

۳) مہرانؔ امروہی، سی1303، شیفرڈ ریزیڈینسی۔ میٹھا نگر۔ نزد بی۔ایم۔سی۔آفس گورے گاؤں (ویسٹ) ممبئی، موبائل:09833327008

۴) افنان امروہی۔1302۔آر چڈ ۹۔ اوسٹوال فیس 2 کنکیا روڈ، میرا روڈ۔401107۔تھانے

# عشقِ عظیم

جب کسی کو کہیں ہوا ہے عشق
پھر چھپائے نہیں چھپا ہے عشق

کسی طاقت سے کب ڈرا ہے عشق
دار پر چاہے چڑھ گیا ہے عشق

گونجتی ہے جو دل کے گنبد میں
سب سے اونچی وہی صدا ہے عشق

عشق کی، روح پر ہو جب بنیاد
تب کہیں جا کے دیر پا ہے عشق

کچھ ارادے کا اِس میں دخل نہیں
ہُوا جس کو بھی خود ہوا ہے عشق

حاصل لذتِ حیات ہے یہ
کون کہتا ہے بد مزا ہے عشق

جب یہ ہو جائے پھر نہیں جاتا
کتنا باظرف و باوفا ہے عشق

شکوے سے آتا ہے شباب اِس پر
روٹھنے کا بھی سلسلہ ہے عشق

تخم ہے اِس کا شدّتِ احساس
وہ جہاں پر ہے، اُس جگہ ہے عشق

وہ تو انسان ہی نہیں شاید
جس کے سینے میں مر چکا ہے عشق

کوششیں لاکھ کی ہیں دنیا نے
پھر بھی ٹالے نہیں ٹلا ہے عشق

کہیں تدبیر آشنا ہے عشق
اور کہیں پر یہ سر پھرا ہے عشق

آ گئی ہے غنودگی بھی اگر
ایک آہٹ سے جاگ اُٹھا ہے عشق

جتنا بھی تھوکتے ہیں خونِ جگر
اتنا رنگین و خوشنما ہے عشق

اُس کی بے چینیوں کو مت پوچھیں
جس کے دل میں نیا نیا ہے عشق

لذّت عشق بھی ہے کیا لذّت
ایک بے مثل ذائقہ ہے عشق

جتنا چاہا کہ دل سے گھٹ جائے
اُتنی تیزی سے ہی بڑھا ہے عشق

عشق تو ہے خمیر میں شامل
رگ و پے میں رچا بسا ہے عشق

زندگی میں جہاد جتنے ہیں
سب سے دشوار مورچہ ہے عشق

زندگانی ترے اندھیرے میں
دل ہے اک چاند۔ چاندنا ہے عشق

جتنے جذبے بشر کی فطرت ہیں
اُن میں ہر ایک سے بڑا ہے عشق

کہیں رکھتے ہیں اِس کو پردے میں
کہیں بے خوف و بر ملا ہے عشق

کہیں دل سوز و دل شکن ہے یہی
کہیں دل بر ہے، دل رُبا ہے عشق

کہیں بھڑکا ہے یہ چراغ کی مثل
کہیں اک حال میں رہا ہے عشق

کہیں مثل گلاب مہکا ہے
بن کے کانٹا کہیں چُبھا ہے عشق

ہے کہیں پر ہوائے تُند یہی
کہیں شبنم، کہیں صبا ہے عشق

دل کے دریا میں موجزن ہے کہیں
کہیں ساکت ہے اور رُکا ہے عشق

کہیں موقوف ہے جوانی تک
کہیں ہر عمر میں ہوا ہے عشق

کہیں معصوم و بے گناہ بھی ہے
کہیں یہ جرم ہے خطا ہے عشق

کہیں اک کھیل ہے جوانی کا
اور کہیں پر مجاہدہ ہے عشق

کہیں کرتا ہے مرثیہ خوانی
اور کہیں پر غزل سرا ہے عشق

ہے کہیں پر چمک کہیں پہ گرج
کہیں گھنگور اک گھٹا ہے عشق

عشق کے رنگ و روپ ہیں کتنے
کہیں ظلمت کہیں ضیا ہے عشق

کہیں پر ہے یہ سہما سہما سا
اور کہیں ایک سورما ہے عشق

کہیں پر دو دلوں کی گرمی ہے
کہیں ٹھنڈا پڑا ہوا ہے عشق

ایک روشن چراغ ہے یہ کہیں
اور کہیں پر بجھا بجھا ہے عشق

کہیں پر سہل راہ ہے اس کی
کہیں دشوار راستہ ہے عشق

کہیں پر تو کیا ہے عشق نے شور
کہیں خاموش ہی رہا ہے عشق

کہیں دوزخ نما ہے اک شعلہ
کہیں جنت کی بھی فضا ہے عشق

کہیں پتھر سے بھی یہ بھاری ہے
کہیں بے وزن ہے ہوا ہے عشق

کہیں خاموش رہتا ہے اکثر
کہیں آنکھوں سے بولتا ہے عشق

ہے کہیں پر تو ایک بیماری
اور کہیں باعث شفا ہے عشق

کہیں سب کچھ تباہ کرتا ہے
اور کہیں وجہِ ارتقا ہے عشق

ہے کہیں پر حیات کی زینت
اور کہیں پر یہ اک بلا ہے عشق

حل کہیں پر ہے یہ مسائل کا
اور کہیں ایک مسئلہ ہے عشق

وجہِ شرمندگی یہ بنتا ہے
جب رقیبوں سے ہارتا ہے عشق

کہیں مرہم بھی دل پہ رکھتا ہے
کہیں ناسور بن گیا ہے عشق

کہیں پر نیم سے بھی کڑوا ہے
اور کہیں شہد ذائقہ ہے عشق

ایسا بھی دیکھنے میں آیا ہے
کہیں کھوٹا کہیں کھرا ہے عشق

کہیں کرتا ہے کام رہزن کا
اور کہیں ایک رہنما ہے عشق

کہیں ہوتی ہے کیفیت ایسی
نہ تو سوتا نہ جاگتا ہے عشق

عشق پر جب بہار آتی ہے
رات دن خون تھوکتا ہے عشق

ساغر عشق پینا سہل نہیں
زہر غم سے بھرا ہوا ہے عشق

عشق والے ہی جانتے ہیں اسے
کس قدر صبر آزما ہے عشق

چاہے دیوار میں بھی چنوایا
رعب شاہی سے کب ڈرا ہے عشق

جو ہوس کو بھی عشق کہتے ہیں
وہ نہیں جانتے کہ کیا ہے عشق

مصلحت سے تو یہ ہے ناواقف
سادگی کا مظاہرہ ہے عشق

اس سے خالی کوئی مقام نہیں
جس جگہ دل ہے اُس جگہ ہے عشق

عشق میں وہ بھی دور آتا ہے
جب بچھونا ہے، اوڑھنا ہے عشق

ہوتے ہیں عشق کے بھی کچھ آداب
با ادب با ملاحظہ ہے عشق

یہ تو ناواقف تکبّر ہے
انکساری کا آئینہ ہے عشق

آرزوئیں جوان اس میں ہوئیں
حسرتوں میں پلا بڑھا ہے عشق

اُنس جس راستے کا پہلا قدم
اک قدم اس کا دوسرا ہے عشق

اِس سے اعلیٰ نہیں کوئی جذبہ
اک عبادت ہے پارسا ہے عشق

آمریت نہیں ہے اس کا مزاج
اک گذارش ہے، التجا ہے عشق

کہیں سرمائے سے ہے کچلا ہوا
کہیں افلاس میں دبا ہے عشق

اس کو حاصل ہے شہریت دل کی
جاودانی ہے لا فنا ہے عشق

رشتے سوتیلے بھی ہیں کچھ، لیکن
رشتوں میں رشتہ اک سگا ہے عشق

مت کہو یہ بری بلا ہے عشق
سچ یہ ہے حُسن آشنا ہے عشق

دل معشوق کی ہے بیزاری
قلب عاشق کا مدعا ہے عشق

اہل عشق و وفا بتائیں گے
مستقل درد و ابتلا ہے عشق

اس میں انساں کا ہے گذر مشکل
بحر آتش میں ڈوبنا ہے عشق

عشق کے حق میں بس دعا کیجئے
سچ تو یہ ہے کہ لادوا ہے عشق

اس کو ہے بس رقیب سے نفرت
حسن سے شکوہ و گِلا ہے عشق

حسن تو ہے غرور کا پیکر
راہِ تسلیم اور رضا ہے عشق

حُسن ظلم و ستم کا ملزم ہے
راحم و نرم دل رہا ہے عشق

حسن چاہتا ہے ناز برداری
شاذ و نادر ہی روٹھتا ہے عشق

حُسن کی تو ادائیں کافر ہیں
اور ایمان کی ادا ہے عشق

حُسن کے سر پہ ہے انا کا تاج
منکسر ہر جگہ ملا ہے عشق

حسن برہم مزاج ہوتا ہے
اور غصے کو تھوکتا ہے عشق

حسن عادی ہے دل چرانے کا
اور نگہبان، حسن کا ہے عشق

حسن تو عارضی ہے فانی ہے
اور حاصل تجھے بقا ہے عشق

کار فرمائی ہے بہت تیری
کام تجھ سے نہ کچھ بچا ہے عشق

اہل دولت میں اہل غربت میں
تیرے دم سے، نہ فاصلہ ہے عشق

ہوں وہ کمزور، یا ہوں طاقتور
تیرا در سب پہ ہی کھلا ہے عشق

اشتراکی مزاج ہے تیرا
تجھ کو تفریق کب رَوا ہے عشق!

کوئی بھی فرقِ رنگ و نسل نہیں
تیرا پیغام ہمسری کا ہے عشق!

چرچا ہر سمت ہی ترا ہے عشق!
پورے عالم پہ چھا گیا ہے عشق!

جب جنم تو نے لے لیا ہے عشق!
پھر تو مارے نہیں مرا ہے عشق!

تارے گن گن کے رات کاٹتا ہے
یہ بھی اک تیرا مشغلہ ہے عشق!

جس کے پیچھے تو لگ گیا ہے عشق!
پھر کہیں کا نہ وہ رہا ہے عشق!

کب رہا ہے کسی کے قابو میں
تجھ پہ کچھ بس نہیں چلا ہے عشق!

تو ہر اک دور میں ملا ہے عشق!
اور ہمیشہ سے مسئلہ ہے عشق!

ہے وہی لمحہ یادگارِ حیات
تیری جس لمحہ ابتدا ہے عشق!

کتنے دل خاک میں ملائے ہیں
کب بھلا تیرا دل دُکھا ہے عشق!

کتنے گھر تُو نے کر دیئے برباد
سچ بتا تجھ کو کیا مِلا ہے عشق!

ڈال کر عقل پر کہیں پتھر
تو نے سب کچھ لٹا دیا ہے عشق!

کتنی نِگلیں جوانیاں تو نے
چین تجھ کو کہاں پڑا ہے عشق!

قیسؔ و فرہادؔ و وامقؔ و مجنوںؔ
سب سے ہی تیرا واسطہ ہے عشق!

ہیرؔ رانجھاؔ ہوں یا ہو اور کوئی
ہر جگہ صبر آزما ہے عشق

صرف ذی روح پر نہیں موقوف
کسی شے سے بھی ہو گیا ہے عشق

عشق کی شرط بس بشر ہی نہیں
کہیں مولد سے بھی ہُوا ہے عشق

وہ بھی انساں ہے قابل تعریف
جس کو بھی اپنی مٹّی کا ہے عشق

آدمی کیا ہر اک کی فطرت میں
در حقیقت بسا ہوا ہے عشق

ہے جو مخلوقِ خالقِ عالَم
جس کو دیکھو وہ کر رہا ہے عشق

پاس ہے جس کے دولت احساس
اُس کو اللہ نے دیا ہے عشق

کہیں بلبل کا یہ ترانہ ہے
کہیں قمری کی بھی صدا ہے عشق

کہیں آواز ہے پپیہے کی
کہیں کوئل کا کُوکنا ہے عشق

پھول کو لے کے اپنی بانہوں میں
کہیں تتلی کا کھیلنا ہے عشق

دیکھ کر کلیوں کے تبسم کو
کہیں بھونرے کا ناچنا ہے عشق

کہیں یہ مور کو نچاتا ہے
اُس میں اک خاص یہ ادا ہے عشق

ہے چمکتا چکور کے دل میں
کہیں چندا کو دیکھنا ہے عشق

ایک رنگیں غزل کہیں، تو کہیں
حضرتِ دل کا مرثیہ ہے عشق

شاعروں کا ہے مونس و ہمدم
میرؔ و غالبؔ کا ہمنوا ہے عشق

وہ عرب والے حضرتِ حسّانؔ
اُن کو نعت رسولؐ کا ہے عشق

جو انیسؔ و دبیرؔ ہیں اُن کا
عمر بھر ذکرِ کربلا ہے عشق

ہیں جو اقبالؔ شاعر مشرق
اُن کے ہاں ایک فلسفہ ہے عشق

شاعرِ انقلاب جوشؔ جو ہیں
اُن میں تو آگ سا بھرا ہے عشق

حضرتِ جونؔ ایلیا کے لئے
مولدِ جونؔ ایلیا ہے عشق

سچ تو یہ ہے عظیمؔ دنیا میں
کچھ نہ کچھ سب کو ہی ہوا ہے عشق

وہ جو عقل و خرد کے حامی ہیں
دل میں تو اُن کے بھی چھپا ہے عشق

عقل- فرزانگی کی دعویدار
اور جنوں! تیرا مشغلہ ہے عشق

عقل- فکرِ جزا سزا میں ہے گُم
بے نیاز جزا سزا ہے عشق

عقل- تو باخبر رہی سب سے
خود سے بھی بے خبر رہا ہے عشق

عقل- کو اک ثبات حاصل ہے
موجِ طوفاں ہے زلزلہ ہے عشق

عقل- ہمت شکن بھی ہوتی ہے
صاحبِ عزم و حوصلہ ہے عشق

عقل- بوتی ہے فلسفے کے بیج
ادب و فن کو سینچتا ہے عشق

عقل- ہے نثر کے لئے رہبر
شعر گوئی کا رہنما ہے عشق

عقل- تو تھک کے بیٹھ جاتی ہے
تو نہ ہارا، نہ تو تھکا ہے عشق

عقل- مصروف فکرِ فردا ہے
صبح فردا نہ سوچتا ہے عشق

عقل- کو ہیں ہزار اندیشے
ہر قدم بے خطر رہا ہے عشق

عقل- جب ڈھیل چھوڑ دیتی ہے
ہر قوی کو یہ پوجتا ہے عشق

عقل- ادراک کی ہے راہ نما
جس سے بھٹکا ہوا ملا ہے عشق

گردِ تشکیک عقل پر ہی ملی
اور شفّاف آئینہ ہے عشق

عقل- ہے اک سپر بشر کے لئے
اور اک تیغ حوصلہ ہے عشق

عقل- رہتی ہے لا جواب جہاں
سر کٹانے کو پوچھتا ہے عشق

عقل- خوف و خطر پسند نہیں
اور خطروں سے کھیلتا ہے عشق

عقل- کانٹوں سے بچ کے چلتی ہے
اور کانٹوں کو روندتا ہے عشق

عقل- ہے احتیاط کی قائل
اور شعلوں میں کودتا ہے عشق

عقل- ہو جائے متفق مجھ سے
یہی ہر لمحہ سوچتا ہے عشق

عقل- تو دیکھتی ہے آنکھوں سے
دل کی آنکھوں سے دیکھتا ہے عشق

وجہ بیزاری بشر تو ہے عقل
دل کی قربت کی انتہا ہے عشق

عقل- اک درس ہے خودی کا اگر
دوسرا نام بے خودی کا ہے عشق

عقل- وجدان کا وسیلہ ہے
اور سمجھتا نہ سوچتا ہے عشق

عقل- کا کرب مانتے ہیں مگر
تیرا تو درد لا دوا ہے عشق

دونوں میں کشمکش ازل سے ہے
ایک ہے عقل دوسرا ہے عشق

در حقیقت یہ لا مُتناہی
عقل سے تیرا فاصلہ ہے عشق!

کہیں درویش میں ہے پوشیدہ
اور کہیں صورتِ گدا ہے عشق

ہے جو بندے میں اور خالق میں
در حقیقت وہ رابطہ ہے عشق

یہ بھی سب سے بڑی حقیقت ہے
آدمی ہو نہ ہو خدا ہے عشق

عشق پستہ بھی ہے بلند بھی ہے
جو حقیقی ہے وہ بڑا ہے عشق

اُس حقیقی کی داستاں ہے طویل
عبد و معبود میں رہا ہے عشق

اُس کا بھی اب بیاں ضروری ہے
سب سے رتبے میں جو سوا ہے عشق

اہل اللہ کے بھی دل میں ہے
اور صوفی کی بھی صدا ہے عشق

کہیں سرمدؔ کہیں پہ ہے سقراطؔ
مختصر یہ طرح طرح کا ہے عشق

کہیں پوشیدہ سنت کے دل میں
کہیں دیوی ہے، دیوتا ہے عشق

کہیں اُس نے بنا دیئے ہیں گُرو
جن کا دل میں سما گیا ہے عشق

قلب انساں میں دیکھتے ہیں جہاں
کہیں ظاہر کہیں چھپا ہے عشق

انا الحق بھی کہیں زبان پہ ہے
اللہ ھُو کی کہیں صدا ہے عشق

عشقِ دنیا سے عشقِ دیں ہے عظیمؔ
اہل حق میں وہی ملا ہے عشق

عشق یہ عام عشق سے ہے الگ
یہی اک اعلیٰ مرتبہ ہے عشق

گونج اس کی ہے کعبۂ دل میں
رات دن جس میں گونجتا ہے عشق

نقشبندیؒ و قادریؒ، چشتیؒ
اُن کو اللہ کا رہا ہے عشق

اک نظام عشق کا نظام الدینؒ
عزت و شانِ اولیاء ہے عشق

وارثؒ و صابرؒ و فرید الدینؒ
ان کے ہاں بھی ہمیں ملا ہے عشق

شاہ ولایتؒ کی اس سے شاہی ہے
جادۂ سہروردیہ ہے عشق

بیدم وارثیؒ میں، دم اس سے
اُن کو اللہ کا رہا ہے عشق

بخت یہ بختیارؒ کا کی کا
بخت آور وہاں ملا ہے عشق

تھا یہی دولتِ غریب نوازؒ
دل میں اُن کے رچا بسا ہے عشق

عشق کا اک مظاہرہ ہے وفا
رہِ اصحابِ با وفا ہے عشق

عرش پر شکل میں عبادت کی
وجہِ کارِ ملائکہ ہے عشق

طاعتِ حکمِ حق کی صورت میں
گرمیِٔ قلبِ انبیاءؑ ہے عشق

نوعِ انساں میں پہلے روز سے ہی
تیری آدمؑ سے ابتدا ہے عشق

تھا انھیں بھی تو اپنے خالق سے
اُن سے دنیا میں آ گیا ہے عشق

پہنچا ہابیل تک یہ ورثے میں
نسلِ آدمؑ کو یوں ملا ہے عشق

کشتیِ نوحؑ کو بچا لایا
ردِّ طوفان اور بلا ہے عشق

آگ گلزار ہے برائے خلیلؑ
اُن پہ رحمت کی اک گھٹا ہے عشق

وہ جو رہتا تھا دستِ موسیٰؑ میں
اُن کا بےمثل وہ عصا ہے عشق

اور اک دن جناب موسیٰؑ کو
جانب طور لے گیا ہے عشق

بہر تسکین امت موسیٰؑ
طور کے جلوے دیکھتا ہے عشق

عشق کی ایک شکل یہ بھی ملی
صبر ایوبؑ بن گیا ہے عشق

حُسنِ یوسفؑ کی جب ہو صورت میں
پھر تو بے مثل و پارسا ہے عشق

جب زلیخا کی شکل میں آئے
بن کے الزام بولتا ہے عشق

یہ مسیحا دکھا گئے سب کو
موت پر فتح پا چکا ہے عشق

قُم بہ اذنی زباں پہ جب آیا
صادق القول و حق نوا ہے عشق

بڑھ کے بیٹوں سے اک بھتیجے کا
قلب مرسل شناس کا ہے عشق

مدرسہ عشق اور وفا کا وہ گھر
جس میں پھولا ہے اور پھلا ہے عشق

کہیں تبلیغِ دیں میں مال کا صَرف
کہیں دولت کا بخشنا ہے عشق

تین سو تیرہ کا ہزاروں سے
کہیں مشکل مقابلہ ہے عشق

آبِ زم زم بھی اک علامت ہے
اور کہیں خاکِ کربلا ہے عشق

راس آئے ہیں دو مقام اسے
یثرب و ارضِ نینوا ہے عشق

عبدِ وُد کے پسر کے دو ٹکڑے
کہیں مرحب کو مارنا ہے عشق

کہیں عنتر کو قتل کرنا ہے
کہیں اژدر کو چیرنا ہے عشق

ذو العشیرہ میں جو کیا تھا کبھی
اُسی وعدے کی تو وفا ہے عشق

کہیں ایمانِ کُل کی شکل میں ہے
کہیں خندق کا معرکہ ہے عشق

کہیں پرچم کو لے کے ہاتھوں میں
بابِ خیبر اکھاڑتا ہے عشق

کہیں صفّین کا تدبّر ہے
کہیں جذبہ حُنین کا ہے عشق

کہیں غزوات کی ہے صورت میں
کہیں صلحِ حُدیبیہ ہے عشق

کہیں دو، چاند کے کیئے ٹکڑے
کہیں سورج پلٹ رہا ہے عشق

وہ بھی تو اک مقام ہے تیرا
پاؤں سے تیر جب کھنچا ہے عشق!

چین سے خود تو سویا بستر پر
رات بھر جاگتا رہا ہے عشق

وہ جو اللہ کے بھی تھے محبوب
اُن سے خالق کو خود ہوا ہے عشق

عرش اعظم کی سیر کی جس نے
کیا بلند اُس کا مرتبہ ہے عشق

لے کے آئے تھے جبرئیل جسے
وہی پیغامِ حق نما ہے عشق

معجزے یوں ملے تھے نبیوں کو
مخزنِ قلبِ انبیاءؑ ہے عشق

کوڑا جو ڈالے، جب ہو وہ بیمار
اُس کو بھی جاکے پوچھتا ہے عشق

فتحِ مکہ کے بعد غیروں پر
رحم اور بخشش و عطا ہے عشق

اک نظام امن و آشتی کا دیا
ارض مکہ پہ ارتقا ہے عشق

جتنے بھی کام ہیں رسالت کے
اُن کا بھی اجر مانگتا ہے عشق

مرضیِ رب خرید لی اک نے
ایک گھر چھوڑ کر چلا ہے عشق

ساتھ احمدؐ کے دینِ حق کے لئے
اک تو حیدرؓ کا معرکہ ہے عشق

ربِّ کعبہ کی بھی قسم کھائی
کامیاب اس قدر ہوا ہے عشق

شکلِ سجدہ میں جلتی ریتی پر
زیر شمشیر دوسرا ہے عشق

صرف دو سر ہی زیر خنجر تھے
جن کا تاریخ میں ملا ہے عشق

اِس سے بڑھ کر کہیں نہیں ملتا
وہ جو میدانِ کربلا ہے عشق

دل میں تو یادِ خالق عالَم
اور نیزوں پہ بولتا ہے عشق

یہ ہیں روشن چراغِ عشق و وفا
اِن میں خود جگمگا رہا ہے عشق

شُکر بھی عشق کی ہے اک منزل
صبر کے واسطے رضا ہے عشق

خون سے بن گیا کہیں گارہ
اس قدر خون دے چکا ہے عشق

دار پر کٹ گئی زباں چاہے
پھر بھی خاموش کب رہا ہے عشق

ایسی بھی اک جگہ ہے دنیا میں
جہاں تکبیر میں ڈھلا ہے عشق

بنکے گونجی اذانِ عشق جہاں
صبحِ مقتل کی وہ صدا ہے عشق

جب مجسم ہو تب حسینؑ ہے یہ
ان کی صورت میں ڈھل گیا ہے عشق

عشق کا ہی مجسمہ ہیں حسینؑ
اور اُن کا مجسمہ ہے عشق

ہیں یہ دونوں ہی لازم و ملزوم
دوسرا نام حسینؑ کا ہے عشق

آدمؑ و نوحؑ سے مسیحؑ تلک
وارثِ جملہ انبیاءؑ ہے عشق

وارثِ زورِ مرتضیٰؑ ہے عشق
راحتِ جانِ فاطمہؑ ہے عشق

پشت پر جو کبھی تھا نانا کی
وہ دل و جانِ سیّدہ ہے عشق

جس کے جنت سے آئے تھے کپڑے
وہ نبوت کا لاڈلا ہے عشق

فخرِ معراج یہ بلندی ہے
راکبِ دوشِ مصطفیٰؐ ہے عشق

دین اللہ کا بچانے کو
اپنا گھر چھوڑ کر چلا ہے عشق

کارواں پیکرانِ عشق کا ہے
سر سے پا تک بھرا ہوا ہے عشق

ہاتھ میں تو سپر ہے تقوے کی
اور ہر جسم پر زرہ ہے عشق

راہ میں پہلے اپنے دشمن کو
ٹھنڈا پانی پلا رہا ہے عشق

لی اُدھر حریت نے انگڑائی
اور اذاں کی اِدھر صدا ہے عشق

اور پھر وقت آ گیا وہ بھی
راستے کو بدل رہا ہے عشق

بعد میں جب قصور وار آیا
اُس سے بڑھ کر گلے ملا ہے عشق

ظلمتوں کی گھٹاؤں سے بچ کر
چاند تاروں میں مل گیا ہے عشق

دست بستہ ہوئی تلافی جب
غلطی اُس کی بخشتا ہے عشق

مال و منصب پہ مار کر ٹھوکر
سر کٹانے کو چل دیا ہے عشق

حُر کو حُر شاہِ حریت نے کیا
یہ بھی تیرا مظاہرہ ہے عشق

جو کمر باندھ لے شہادت پر
دوستی کی وہ انتہا ہے عشق

دشت غربت میں وادیِ غم میں
دینِ خالق کا آسرا ہے عشق

ہے یہی تو محافظ قرآں
محرمِ راز کبریا ہے عشق

جس کی ٹھوکر میں تاج شاہی تھا
وہ شہنشاہ کربلا ہے عشق

عزم میں تیرے کچھ نہیں جنبش
کربلا میں تو زلزلہ ہے عشق

مقتل کربلا ہے وہ مقتل
مسکراتا جہاں ملا ہے عشق

کربلا سے گذر رہا تھا جو
مختصر سا وہ قافلہ ہے عشق

اللہ اللہ وہب کلبیؓ کی
ماں کا وہ جذبۂ ولا ہے عشق

شیر دل لال کر دیا قرباں
قلب مادر کا حوصلہ ہے عشق

صرف دو دن کی چھوڑ کر دلھن
جان دینے کو چل دیا ہے عشق

راہِ حق میں کٹا کے گردن کو
سرخ رو کس قدر ہوا ہے عشق

ظلم نے سر کٹا جو ماں کو دیا
ماں کی آنکھوں سے چیخ اٹھا ہے عشق

چہرے کو چوم کر یہ ماں بولی
سر کو قربان کر چکا ہے عشق

تم ہی لے جاؤ ظالمو! یہ سر
کامیابی تو پا گیا ہے عشق

کُند خنجر جہاں گلے پہ چلے
کربلا میں وہ راستہ ہے عشق

مقتلِ کربلا پہنچ کے یہی
کشتۂ خنجرِ جفا ہے عشق

ظلم کو تشنہ کام رکھنا تھا
اِس لئے تشنہ لب رہا ہے عشق

وارثِ لہجۂ پدر ہے بہن
اُس سے مصروف مشورہ ہے عشق

گلشنِ مصطفےٰؐ کے پھولوں سے
کربلا کو سجا رہا ہے عشق

فخر سے بارگاہِ خالق میں
سر ہتھیلی پہ لے چلا ہے عشق

انبیاءؑ کی بچائی ہے محنت
سرخ رُو سب سے ہو گیا ہے عشق

چڑھتا سورج بھی ہار مان گیا
اُس کے آگے نہیں جھکا ہے عشق

قتل گاہوں سے خیمہ گاہوں تک
لاش پر لاش لا رہا ہے عشق

سب فرشتوں کے آ رہے ہیں سلام
کتنا با عزم و حوصلہ ہے عشق

راہیِ راہِ عشق زندہ باد
خوں سے مقتل میں لکھ دیا ہے عشق

صبر حیران ہو گیا خود بھی
تیر گردن سے جب کھنچا ہے عشق!

قد سے لمبی لئے ہیں تلواریں
کم سِنوں میں یہ ولولہ ہے عشق

جاکے مقتل میں خود بھتیجے کی
لاش کے ٹکڑے ڈھونڈتا ہے عشق

بھانجے دونوں نونہال جو تھے
ان کی میت اٹھا رہا ہے عشق

لشکرِ عشق کا علم لے کر
لبِ دریا پہنچ گیا ہے عشق

لے کے چلّو میں اپنے، پانی کو
منھ پہ دریا کے مارتا ہے عشق

فوج سے چھین کر ترائی کو
اپنا قبضہ جما چکا ہے عشق

لشکر ظلم تھک کے ہار گیا
تیرا پرچم نہیں جھکا ہے عشق

دست نفرت میں ہاتھ ہی نہ دیا
چاہے بازو کٹا گیا ہے عشق

یا علیؑ کہہ کے دست ہمت سے
برچھی کا پھل بھی کھینچتا ہے عشق

صبر ایوبؑ کانپ کر بولا
یہ کلیجہ فقط ترا ہے عشق!

اپنے کڑیل جوان کا لاشہ
لے کے خیمے میں جا رہا ہے عشق

اپنی معراج پر پہنچ کے یہی
صبر کا گویا ناخدا ہے عشق

لشکرِ صبر کے شہیدوں نے
خون کتنا تجھے دیا ہے عشق

آسماں غم کا گرنے پر بھی صبر
یہ تو در اصل معجزہ ہے عشق!

سجدۂ شُکر، اور تہہِ خنجر
عقل کا دل دہل گیا ہے عشق!

اس کی ہر سانس میں پیام حق
حق نما اور حق نوا ہے عشق

جب سناں کی یہ نوک پر پہنچا
گویا قرآنِ کبریا ہے عشق

کلمۂ لا الٰہ الاّ اللہ
خون سے تو نے ہی لکھا ہے عشق!

پیاس اسلام کی بجھانے کو
دشت میں شیرِ سیدہؑ ہے عشق

جان اسلام کی بچانے کو
جرأتِ ضیغم خدا ہے عشق

ڈھلتے سورج کے آ رہے ہیں سلام
اپنے خوں میں نہا رہا ہے عشق

سجدۂ شکر میں ہے راز و نیاز
محرمِ مرضیِ خدا ہے عشق

اب فقط نفسِ مطمئن ہے بچا
باقی سب کچھ لٹا چکا ہے عشق

ہے ملائک میں گریہ و زاری
حاملِ درد و ابتلا ہے عشق

جن پہ رونے دیا نہ ظالم نے
اُن پہ اب گریہ و بکا ہے عشق!

کہیں سردارِ صابرین کا صبر
کہیں عباسؑ کی وفا ہے عشق

کہیں تطہیر کی ردا ہے عشق
کہیں زنجیر کی صدا ہے عشق

کہیں زنداں میں سجدۂ سجادؑ
کہیں زینبؑ کا حوصلہ ہے عشق

تخت شاہی کو ایسا للکارا
تاج بھی گونگا ہو گیا ہے عشق!

راہزن جس کے سامنے لرزیں
ایسا سالارِ قافلہ ہے عشق

ساتھ اسیروں کے قافلے کے رہا
اُن کی ہمت ہے آسرا ہے عشق

دھجّیاں کرکے ظلم کی دستار
راہِ خالق میں بے ردا ہے عشق

کتنے سر سج رہے ہیں نیزوں پر
اُن پہ بھی جگمگا رہا ہے عشق

صرف خطبے سے ظلم کا تو نے
تخت شاہی ہلا دیا ہے عشق!

حق بیانی کے سامنے تیری
پورا دربار سہم اٹھا ہے عشق!

سرِ شبیرؑ اب ہے نیزے پر
اللہ اللہ یہ مرتبہ ہے عشق!

غیب سے آ رہی ہے یہ آواز
اپنی معراج پا گیا ہے عشق

اس کی ٹھوکر میں تاج و تخت ملے
سرِ بیعت کچل چکا ہے عشق

پوری تاریخ نوعِ انساں میں
صرف یہ بے مقابلہ ہے عشق

کربلا میں جو عشق خالق تھا
کہیں ایسا نہیں ملا ہے عشق

عشق کے کارواں ہو تجھ پہ سلام
تونے بتلا دیا کہ کیا ہے عشق

یاد رکھّیں گے اہل عشق تجھے
حشر تک تیرا تذکرہ ہے عشق!

در حقیقت عظیمؔ آپ کا تو
منقبت، نعت، مرثیہ ہے عشق

ڈاکٹر عظیم امروہوی

# اظہار حقیقت

لفظ نامہ، اردو زبان میں تقریباً ابتدائی دور سے ہی استعمال ہوتا رہا ہے۔ محبت نامہ سے اعمال نامہ تک، اور نامہ بر سے نامہ نگار تک۔ مختلف الفاظ اور تراکیب مستعمل اور رائج رہی ہیں۔ فارسی شاہنامے کے بعد اردو زبان میں اگر کسی سب سے پہلی نظم کو ایسا نام اور عنوان دیا گیا تو وہ ہے ''وفات نامہ بی بی فاطمہؑ''۔ جو ۱۱۰۵ھ کی تصنیف ہے اور جس کے شاعر ہیں میر اسمٰعیل امروہوی۔ یہ رثائی نظم مثنوی کی ہئیت میں ہے۔ اور کافی طویل ہے جس میں بی بی فاطمہؑ کی وفات کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ اس طرح یہ مثنوی کی ہئیت میں مرثیہ ہے۔

اس پہلی رثائی نظم کے بعد نعتیہ نظم لچھمن نرائن شفیقؔ کی ملتی ہے جو بارہویں صدی ہجری کی تخلیق ہے جس کا عنوان ہے ''معراج نامہ''۔ اس معراج نامہ کے بعد بھی کچھ شعراء نے ''معراج نامہ'' عنوان سے نظمیں کہیں۔ اس کے ساتھ ہی دوسری طرف جہاں واقعہ کربلا مختلف اصناف میں بیان کیا گیا یعنی نوحہ، سوز، سلام اور مرثیہ وغیرہ وہاں 'شہادت نامہ' عنوان سے بھی نظمیں کہی گئی ہیں۔ اس کے بعد مختلف عنوانات سے نامے لکھے گئے۔ گذشتہ صدی میں حفیظؔ جالندھری کا ''شاہنامۂ اسلام'' کو بھی خاص شہرت ملی۔ نظم کے علاوہ نثر میں بھی حلف نامہ۔ وصیت نامہ۔ وقف نامہ اور سفر نامہ وغیرہ لکھنے کا کافی سلسلہ ہے۔

منظوم نامے زیادہ تر بیانیہ شاعری کے نمونے ہیں جن میں کسی واقعے کو لیکر شاعر نے اس کی تفصیلات پیش کی ہیں۔ جب واقعات شاعری کی بنیاد ہوں تو انھیں نظم کرنے کے لئے خاکہ اور خام مواد مل جاتا ہے۔ اس لئے مضامین کی تلاش کے لئے کوئی خاص ضرورت پیش نہیں آتی۔ شاعر کو یہ Raw Material ترتیب دینا اور اشعار کے قالب میں ڈھالنا ہوتا

ہے اور پھر اُس میں رنگ آمیزی کر کے سجانا ہوتا ہے کچھ واقعات میں یہ گنجائش بھی ہوتی ہے کہ نظم میں تخیل کی مدد سے کچھ اضافے بھی کر دیئے جائیں لیکن واقعات کی صداقت مجروح نہ ہو۔ یعنی واقعاتی صداقت اور اصل صداقت Scientific Truth کو Poetic Truth شاعرانہ صداقت میں بدل دیا جائے لیکن واقعے کی بنیاد نہیں ہلنی چاہیے۔

لیکن اگر کوئی نامہ کسی واقعے پر مشتمل نہ ہو بلکہ اُس میں کسی جذبے کو نظم کیا جائے تو اُسے نظم کرنے میں وہ سہولت نہیں ہوگی جو واقعے کو نظم کرنے میں ہوتی ہے۔

میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ کبھی اس قسم کا نامہ نظم کرنا ہوگا۔ دراصل میرے اس عشق نامے کی محرک میر تقی میرؔ کی ایک غزل ہے۔ ایک دن میرؔ کی وہ غزل مہرآنؔ امروہی سلمہ کی آواز میں یوٹیوب پر افنانؔ سلمہ کے چینل ''بنانا پوئٹری'' پر سن رہا تھا غزل کا مطلع ہے۔

کیا بتاؤں تمہیں کہ کیا ہے عشق
جان کا روگ ہے بلا ہے عشق

اس غزل کا سننا کیا تھا کہ اسی زمین میں شعر غیر ارادی طور پر شروع ہو گئے اور ذہن بنتا چلا گیا اور پھر سوچا کیوں نہ ''عشق نامہ'' عنوان سے نظم مکمل کر لی جائے۔ یہ سوچتے ہی سوچتے نظم تیزی سے آگے بڑھتی گئی اور کم از کم سوا شعار کم کرنے اور نکالنے کے بعد بھی یہ تین سو دس اشعار ہیں۔

اس نظم میں عشق مجازی سے عشق حقیقی تک کی ساری کیفیات و اثرات کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ عشق مجازی کی مختلف داستانیں اور واقعات کی جانب بھی اشارے ہیں اور کہیں واضح طور پر بھی بیان کیا ہے۔ اس میں لگاؤ یعنی محبت کی تمام قسمیں انس، پیار، محبت، عشق، مودّت اور عقیدت وغیرہ کا بیان بھی ہے یعنی اس جذبے کی جو جو منازل اور درجات ہیں اُن کا ذکر ہے۔

عشق نامہ جذبۂ عشق کی تشریح، تفسیر، تفہیم، تعبیر اور تصویروں پر مشتمل ہے۔ اس میں عشق کے کچھ واقعات کی ہلکی سی جھلک اور ان کی جانب صرف اشارے ہیں جہاں عشق مجازی کا سوال ہے تو اس کے بعد بھی چونکہ دو پہلو ہیں یعنی مثبت اور منفی اس لئے ان دونوں پہلوؤں کو اس میں بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس میں عشق کے دونوں طرح کے

نتائج بھی شامل ہیں یعنی کامیابی اور ناکامی۔ ان تمام باتوں کا بھی نظم میں ذکر ہے کیونکہ ہمارے معاشرے میں عشق انسانی کے طرح طرح کے سیکڑوں واقعات ملتے ہیں۔

عشق کی ایک قسم جو عشق حقیقی ہے اس کی منزل اور مقام بہت بلند و بالا ہے اور یہ اعلیٰ مقام حاصل کرنے والے اللہ کے برگزیدہ بندے ہیں۔ جنھوں نے اپنی ذات اور وجود کو کھو کر اپنے محبوب میں ایک طرح سے جذب کر دیا ہے۔ اس عشق کے راہی اور عارف اہل اللہ اور صوفیائے کرام ہوئے ہیں۔ یہ عشق کسی اعلیٰ ذات کے حوالے سے بارگاہِ الٰہی تک پہنچاتا ہے اور معرفت کامل ہو جاتی ہے ایسے عشق کا بھی نظم میں بیان ہے اس کے بعد انبیاءؑ کا عشق، مختلف امتحانات دینا ہے اور جو بے خطر آتش نمرود میں بھی کود جاتا ہے۔ عشق نامے کے آخری حصے میں بھی عشق الٰہی کا ذکر کیا گیا ہے۔ جس کے لئے مولانا ڈاکٹر محمد سیادت فہمی امروہوی نے فرمایا ہے کہ

امتحانِ عشق میں ایسا بھی وقت آیا کہ جب
کربلا میں اک ندائے غیب یہ آئی کہ بس

یہ عشق کی وہ آخری منزل ہے کہ جہاں پہنچ کر آگے کوئی راستہ نہیں ہے اس لئے محبوب عاشق کو آگے جانے سے روک دیتا ہے۔ انبیائے کرامؑ کے عشق حقیقی اور جذبہ صادق کے بعد سب سے انوکھا اور بے مثال عشق کربلا میں ہی ملتا ہے۔ عشق کی اسی منزلِ آخر کا نام 'معراجِ عشق' ہے۔ جہاں امام حسین علیہ السلام کی ذات مجسم عشق نظر آتی ہے۔ جہاں سر سجدۂ خالق میں ہے اور یہ احساس ہی نہیں کہ قاتل کا کند خنجر خشک گردن اور پیاسے گلے پر چل چکا، یا چل رہا ہے۔ جہاں دل یادِ خدا میں غرق ہے اور خار دار زبان پر معبودِ حقیقی کا نام ہے جہاں گلوئے خشک سے خون کی دھار نکل کر نعرۂ اللہ اکبر بلند کرتی ہے اور اس لہو کی مہک آسمان کی بلندیوں تک پہنچتی ہے تو ندائے غیب آتی ہے کہ بس..... یہ ہے عشق کی آخری منزل، عشق کی انتہا اور عشق کی معراج۔ تاریخ عالم و انسانیت اس عشق کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اس طرح اس نظم میں اہل عشق کی تاریخ پر ایک طائرانہ نظر ہے اور جذبۂ عشق کی تفسیر و تمثیل ہے۔

یہاں اس بات کا اظہار بھی کر دینا ضروری ہے کہ نظم کے آخری حصے کے ذریعے

میں نے اسے مرثیہ بنانے کی کوشش بھی کی ہے۔ مرثیے سے میری مراد جدید مرثیہ ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ابتدا میں ایسا کچھ سوچا بھی نہیں تھا لیکن نصف سفر کے بعد ایک غیر ارادی رجحان پیدا ہو گیا اور نظم نے خود بخود ایک موڑ لے لیا اور آگے بڑھتے بڑھتے یہ نتیجہ نکلا کہ میں اپنے مزاج اپنی طبیعت اور رجحان کے سبب مرثیے کے راستے پر چل پڑا کیونکہ میرے لاشعور میں مرثیہ پیوست ہے پھر یہ بھی سوچا کہ مظاہرۂ عشق الٰہی کی سب سے بلند و بالا سر زمین دشت کربلا ہے۔ اس سے بڑھ کر مناسبت کیا ہوگی اس لئے یہ عشق نامہ بڑھتے بڑھتے اپنی معراج کی جانب پہنچ گیا اور سانحہ کربلا کے دردناک واقعات خود بخود شامل ہو گئے اور وہ تحریر جو ابتدا میں قلم کے متبسم ہونٹوں سے نکلی تھی اور آغاز ہوا وہ آبدیدہ قلم میں ڈھل کر آنسوؤں کی شکل اختیار کر گئی۔

مندرجہ بالا سطور میں اس نظم کو میں نے مرثیے کا نام دیا ہے تو پھر اب میری ذمہ داری ہے اس کا جائزہ جدید مرثیے کی حیثیت سے بھی لیا جائے۔ اسلئے سب سے پہلے اس کی ہئیت پر غور کیا جائے۔ آج جو مرثیے کی ہیئت (Form) ہے وہ مسدس ہے اور یہ مسدس کی ہئیت، مرثیہ گذشتہ تقریباً تین صدی سے حاصل کئے ہوئے ہے اور مسدس کی زمین میں اس کی جڑیں پھیل چکی ہیں اور بنیادیں مضبوط ہو چکی ہیں اس لئے آج کے ذہنوں میں مسدس بغیر مرثیے کا تصور ادھورا ہے۔ لیکن دوسری جانب تاریخ شاہد ہے کہ مرثیے نے مسدس کی شکل میں جنم نہیں لیا تھا بلکہ ابتدا سے مسدس تک پہنچنے میں تقریباً ہر ہئیت میں مرثیہ کہا گیا ہے یعنی غزل، مثلث، مربع، مخمس، مثنوی، ترکیب بند، ترجیع بند اور مستزاد وغیرہ اس لئے اگر آج بھی مسدس کے علاوہ کسی اور ہیئت میں مرثیہ کہا جاتا ہے تو یہ ادبی بدعت نہیں ہوگی بلکہ قدیم ہیئت کا احیا کہلائے گا۔ میری یہ نظم غزل کی ہیئت میں ہے اور ایک ہی قافیہ ردیف میں ہے اس کی ردیف عشق ہے۔

دوسرا سوال بحر کا آتا تو یہ بحر بھی کوئی نئی یا انوکھی نہیں ہے بلکہ عام بحر ہے۔ اس میں پہلے بھی مراثی کہے جاتے رہے ہیں۔

اب جہاں تک سوال مرثیے کے موضوعات اور مضامین کا ہے تو اس کے چہرے کا موضوع عشق ہے۔ اس کے بعد دیگر اور برگزیدہ شخصیات کا ذکر ہے اور پھر بزرگانِ

مذاہب، صوفیائے کرام، انبیائے عظامؑ اور معصومین علیہم السلام کی مدح عشق کے حوالے سے کی گئی ہے جو کہیں بالواسطہ ہے اور کہیں بلا واسطہ ہے یہ سب کچھ وہ موضوعات ہیں جو اردو مرثیے میں کہیں نہ کہیں پہلے بھی شامل ہوئے ہیں یعنی مدح وثنا اور فضائل ومناقب۔

اس کے آخری حصے میں شہدائے کربلا کی شہادتوں کا بیان ہے اور اسیرانِ کربلا کا بھی مختصر ذکر ہے جو نہ صرف مرثیے کا ہمیشہ سے موضوع رہے ہیں بلکہ مرثیے کی بنیاد ہیں بغیر اس ذکر کے کوئی بھی نظم مرثیہ نہیں کہی جاسکتی۔اسی لئے میر انیسؔ نے فرمایا ہے کہ

ع مرثیہ درد کی باتوں سے نہ خالی ہووے

اس اعتبار سے بھی اگر دیکھیں تو کربلا کے تمام خاص خاص شہداء کا ذکر موجود ہے۔ اب جو اجزاء اس میں نہیں ہیں یعنی مناظر فطرت، رخصت، آمد، رجز، جنگ، تلوار کی تعریف، گھوڑے کی تعریف اور ساقی نامہ وغیرہ وغیرہ تو یہ سب مضامین جدید مراثی کا لازم حصہ بھی نہیں ہیں۔

مندرجہ بالا امور کو مدنظر رکھتے ہوئے کوئی وجہ نہیں ہے کہ اس نظم کو جدید مرثیہ ماننے میں کوئی تامل کیا جائے اور ہیئت کی تبدیلی اور مضامین کی روایتی ترتیب نہ ہونے کی وجہ سے اسے ایوانِ جدید مرثیہ میں داخل ہونے کی اجازت نہ دی جائے۔اسے ایک تجربہ کہا جاسکتا ہے اور ہر تجربے کو قبول کرنے میں وقت لگتا ہے اور ہر تجربہ کامیاب بھی نہیں ہوتا۔

مرثیے کو بہت زیادہ پابندیوں میں جکڑنا نہ صرف مرثیے کے حق میں نہیں ہے بلکہ غیر مناسب بھی ہے۔مرثیے کو سہل بنانا، سادگی اختیار کرنا اور ہیئت (مسدس) پر جمے نہ رہنا مرثیے کو وسعت دینا ہوگا۔ان معروضات سے میرا مقصد قطعاً یہ نہیں ہے کہ اب مرثیے کو اس کی روش سے ہٹا دیا جائے بلکہ مرثیہ (مسدس) کی عظمت اور مضامین کی ترتیب کو میرا ہمیشہ سے سلام ہے اور رہے گا۔ یہاں ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ مرثیہ صرف صفحہ قرطاس تک محدود نہیں رہتا بلکہ اس کے لئے ایک پلیٹ فارم بھی ہے، یعنی منبر۔جس کے بغیر مرثیہ مقبولیت حاصل نہیں کرسکتا اس لئے مسدس اپنی جگہ بے حد اہم اور ضروری ہے، غیر مسدس منبر پر وہ کامیابی حاصل نہیں کرسکتا۔مرثیے کی زندگی منبر سے ہے اور منبر پر کامیابی مسدس سے ہے تب ہی مرثیہ زندہ اور توانا رہے گا۔

بہر حال ''عشقِ عظیم'' جیسے مراثی چاہے منبر پر مقبولیت حاصل نہ کر سکیں یہ الگ بات ہے لیکن اس انداز کے مراثی کی تخلیق کی گنجائش ہے اور جو ایک طرح سے مرثیے کے دامن کو وسعت بھی دیں گے اور مراثی کی دنیا میں اضافے کا سبب بھی بنیں گے۔

آخر میں عرض کر دوں کہ شاعری کی جملہ رائج الوقت اصناف میں راقم نے طبع آزمائی کی ہے۔ مسدس کی ہیئت میں ۲۵ جدید مراثی (۵۵ سے ۹۵ بند تک پر مشتمل) کہے ہیں اور نہ صرف اردو اصناف سخن بلکہ ہندی اصناف میں اسلامی دوہے اور پنچ بھجی بھی کہی ہیں اور غیر ملکی اصناف سخن میں اسلامی ترائیلے اور ہائیکو بھی کہے ہیں، لیکن عشق مرثیے سے ہے۔

بہر حال میری یہ کاوش کیسی ہے اس کا فیصلہ تو علمائے ادب اور ماہرین فن ہی کریں گے لیکن چونکہ اس کا آخری حصہ شہدائے کربلاؑ کے ذکر اور مصائب پر مشتمل ہے اس لئے ان کی بارگاہ میں شرف قبولیت کے لئے دعا گو ہوں۔

خادم رثائی ادب

ڈاکٹر عظیم امروہوی

چیرمین عالمی مرثیہ سینٹر، نئی دہلی

# ڈاکٹر عظیم امروہوی کی دیگر کتابیں

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۱ | حسین اور زندگی | جدید مرثیہ | رامپور |
| ۲ | مرثیہ عظیم | جدید مرثیہ | کراچی |
| ۳ | قرآن اور حسینؑ | جدید مراثی | دہلی |
| ۴ | اتحاد اسلامی | جدید مرثیہ | دہلی |
| ۵ | مراثی عظیم | جدید مراثی کا مجموعہ | دہلی |
| ۶ | خاندان شمیم کی مرثیہ گوئی | مجموعہ مراثی۔ تحقیق و تدوین | دہلی |
| ۷ | شمیم سخن | مراثی شمیم امروہوی // | دہلی |
| ۸ | شمیم عطش | // // // | دہلی |
| ۹ | شمیم عقیدت | نعت، منقبت، سلام نوحے // | دہلی |
| ۱۰ | ہلال غم | مراثی ہلال امروہوی // | دہلی |
| ۱۱ | ہلال غم دوم | // // // | دہلی |
| ۱۲ | ہلال غم ہندی | // // // | دہلی |
| ۱۳ | ہلال غم دوم ہندی | // // // | دہلی |
| ۱۴ | معراجِ سخن | نعتیہ مراثی کا مجموعہ، تحقیق و تدوین | دہلی |
| ۱۵ | مرثیہ نگارانِ امروہہ | نثر۔ تحقیق | کراچی |
| ۱۶ | قصیدہ نگارانِ امروہہ | نثر۔ تحقیق | دہلی |
| ۱۷ | اردو صحافت میں امروہہ کا حصہ | نثر۔ تحقیق | دہلی |
| ۱۸ | شمیم امروہوی حیات اور کارنامے | نثر۔ تحقیق | رامپور |

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۱۹ | رسولیات | مجموعہ نعت | دہلی |
| ۲۰ | قصائدِ عظیم | مجموعہ قصائد | دہلی |
| ۲۱ | سلامِ عظیم | مجموعہ سلام | دہلی |
| ۲۲ | منقبتِ عظیم | مجموعہ منقبت | دہلی |
| ۲۳ | آفتابِ انقلاب | مجموعہ نظم و مرثیہ | دہلی |
| ۲۴ | حدیثِ غم | مجموعہ سلام و نوحے | لکھنؤ |
| ۲۵ | تحریک نینوا | مجموعہ سلام و نوحے | امروہہ |
| ۲۶ | رسولِ اعظمؐ | مجموعہ نعت۔ تحقیق و تدوین | دہلی |
| ۲۷ | شرحِ غم | مجموعہ رثائی کلام ،، | امروہہ |
| ۲۸ | حسینیت ایک آفاقی تحریک | ،، نظم ،، ،، | امروہہ |
| ۲۹ | بین الاقوامی محرم نمبر | مجموعہ مضامین ،، | دہلی |
| ۳۰ | نقشِ حیات | ،، ،، ،، | دہلی |
| ۳۱ | دولتِ عظمیٰ | ،، کلام ستیش فگارؔ (مرتب) | مرادآباد |
| ۳۲ | میرے خوابوں کا جہان | سفرنامہ ایران | دہلی |
| ۳۳ | طوافِ نور | سفرنامہ سعودی عرب | دہلی |
| ۳۴ | تاجدارِ شہادت | مجموعہ کلام تاجدار کمال (مرتب) | دہلی |
| ۳۵ | یادیں | نثر و نظم (مرتب) | دہلی |
| ۳۶ | مراثی نسیمؔ (جلد پنجم) | نسیمؔ امروہوی کے مراثی، تحقیق و تدوین | ٹورنٹو۔ کینڈا |
| ۳۷ | مفسرِ نور | مرتب۔ اسلامیات | دہلی |
| ۳۸ | ملاقاتِ امامؑ | مرتب۔ اسلامیات | دہلی |
| ۳۹ | عشقِ عظیم | عشق نامہ (جدید مرثیہ) | دہلی |

# ishq-e-azeem



Dr. AZEEM AMROHVI (In 1968)



Paishkash
Aalami Marsia Centre
New Delhi